ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

سائرہ سیف اللہ
ایم-فل اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
ڈاکٹر میمونہ سبحانی
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

علی عباس حسینی کے افسانوں میں بھکاری کا کردار

Saira Saif Ullah
MPhil Scholar, Urdu, Government College University Faisalabad.
Dr. Mamuna Subhani*
Associate Professor, Urdu, Government College University Faisalabad.
***Corresponding Author:** memunasubhani@gcuf.edu.pk

Character of Beggar in Ali Abbas Hussaini's Fiction

ABSTRACT
Beggars are a different group in society with several reasons for begging. Some suffer from serious health issues. Others beg due to financial hardships, while criminal persons forcefully induct some in organized begging networks. The attitude of our society towards them differ from kindness to distrust, which influenced by our cultural norms and policies. Ali Abbas presented both concepts of the society and the mindset of our culture. In today's society, several people consider them a threat to the culture. His fictional characters describe the real picture of baggers and the behavior of society towards them. His fiction easily illuminate the complex challenges of society.

Key Words: *Fiction, Society, Character, Poor, Rich, Bagger.*

علی عباس حسینی ۳ فروری ۱۸۹۷ء میں بھارت میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں دینی مدرسہ سے عربی اور دینیات کی تعلیم پائی۔ قصہ کہانیوں سے طبعی رغبت تھی۔ چنانچہ گیارہ برس کی عمر میں کئی جملہ کتب ناول، مثنویاں،

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

واسوخت ان کی نظروں سے گزر چکے تھے۔ ان کا پہلا مطبوعہ افسانہ "جذب کامل" ہے جو کہ جولائی ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ ان کی کئی تنقیدی کتابیں بھی ہیں اور انہوں نے سکول کے مختلف درجوں کے لیے زائد نصابی کتابیں بھی لکھی۔

خوش قسمت لڑکا

ان کے افسانوی مجموعہ "باسی پھول" میں شامل ہے۔ جو کہ ۱۹۳۹ء میں پنجاب آرٹ پریس لاہور میں چودھری نذیر احمد پرنٹر پبلشرز نے مکتبہ اردو لاہور سے شائع کی اور جس میں یہ افسانے شامل ہیں

(i) گونگا ہری (ii) بیوی (iii) نئی ہمسائی (iv) عدیا قنبولن
(v) کتے کا بھوک (vi) عدالت (vii) آم کا پھل (viii) امتحان قدرت
(ix) خوش قسمت لڑکا (x) کیا کیا جائے

علی عباس حسینی چونکہ خود دیہات سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے ان کے افسانوں میں دیہی لوگوں کے مسائل کی عکاسی کی گئی ہے کہ وہ کس طرح کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں۔

"خوش قسمت لڑکا" میں رحیمن ایک ضعیفہ ہے جس کا نو سال کا پوتا جس کا نام حمید ہے۔ جو کہ یتیم ہے اور اس بوڑھی رحیمن کے سوکھے ہاتھوں میں اس کی نرم انگلیاں اس طرح تھیں جیسے خزاں کے پتوں میں ایک کونپل کی طرح رحیمن کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ چہرے پر جھریاں تھیں۔ آنکھوں کے گرد کئی نشانات تھے۔ گال پچکے ہوئے تھے۔ ہاتھ پاؤں کانپتے تھے اور ہاتھ میں عصا لینا ضروری تھا۔ جسم پر پھٹا سا برقعہ تھا اور جس کا نچلا حصہ کیچڑ میں اٹا ہوا تھا۔ پاؤں میں پرانی وضع کی ایک پیوند دار جوتی تھی اور پوتا اس کا سر جھکائے ساتھ تھا:

> "ننھا حمید سر جھکائے ساتھ تھا۔ آواز بھرائی ہوئی آنکھیں ڈبڈباتی ہوئی اور چہرے اور پھٹے کپڑے سے بال کی حسرت برستی ہوئی۔"(۱)

آواز اس کی بھراتی ہوئی تھی اور بوڑھی عورت اپنے پوتے سے کہہ رہی تھی۔ اس نو برس کی عمر میں نوکری بڑی قسمت والوں کو ملتی ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھ بڑھیا کی فریاد سن لی گئی اور حمید اس کو دیکھ کر کہتا ہے جی اماں بہت خوب اور پھر وہ کہتی ہے کہ اب میلے میں چار پیسے کی ایک ٹوپی خرید لینا اور اب نوکر بنو گے۔

اور پھر وہ اُسے نصیحت کرتی ہے کہ جو تم نے جو کھٹ پٹی (جوتا) پہن رکھی ہے۔ اسے اتار کر رکھ لینا اسے عید بقر پر پہن لینا۔ اب تم سمجھ دار ہو گئے ہو۔ آگے کا خیال رکھنا ایسے ویسے دنوں میں ننگے پاؤں پھر لینا۔ لیکن تہوار کے موقع پر تم بھی دوسروں کے ساتھ اس طرح چلنا۔ کیونکہ بوڑھیا رحیمن کا کوئی کمانے والا نہیں تھا۔ اس لیے وہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

اس کو پیشہ ور بھکاری بنانا چاہتی تھی لیکن حمید اب بھی اسی جھکی ہوئی گردن میں بول کر ہی جواب دے رہا تھا۔ اچھا دادی جان۔

اس وقت صبح کا وقت تھا پو پھٹ چکی تھی۔ مسجدوں سے اذان کی آوازیں آرہی تھیں اور عورتیں ٹولوں کی صورت میں جارہی تھیں۔ ہر ایک ان کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا مگر کوئی پوچھنا نہیں چاہتا تھا اور راستے کی منزل دور تھی۔ دونوں کھیتوں کے کنارے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ بوڑھی عورت چھوٹے حمید کو اس کی ملازمت کے فرائض سمجھارہی تھی اور ساتھ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ اس عمر میں نوکری ملنا خدا کا فضل ہے مگر وہ چھوٹا حمید صرف یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ دادی جی اچھا خوب۔ اس وقت سورج نکل آیا تھا اور دیہاتی لوگ اپنے بیلوں کو لے کے جارہے تھے بوڑھی رحیمن اور چھوٹا حمید بھی چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے جارہے تھے۔ ان کے سامنے راستہ دور دور تک تھا۔ لیکن منزل کا خاکہ کافی دھندلا تھا۔

سامنے ہی ایک منگلور جس کا نام چہار تھا۔ وہ آتے ہوئے دکھائی دیا۔ لاٹھی لٹکائی ہوئی رحیمن سے پوچھا تو پتا چلا کہ حمید کی نوکری لگ گئی اور پھر بتاتی ہے کہ میرے گھر میں سوائے اس کے کوئی مرد نہ تھا۔ راستے میں مولوی صاحب بھی ملے کہنے لگے کہ اس کو نماز بھی سکھانی ہے۔ رحیمن کا جواب سن کر وہ خاموش ہو گیا کہ 'مولوی صاحب آپ کا خیال کہ صرف نماز آپ لوگ پڑھتے ہیں۔

ان دونوں کی عمروں میں فرق ہے۔ عمر کے لحاظ سے ایک کے پاؤں میں رعشہ ہے اور ایک تا عمر زیادتی کی وجہ سے دوسرے کی کم عمری کی وجہ سے۔ آخر کار وہ منزل کے قریب ہی پہنچ گئے تھے۔ گوشائیں پور کی عمارت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ایک درخت کے پاس ایک اندھا فقیر بیٹھا تھا اور اس کا ایک ہی سوال تھا۔ ایک پیسہ پاؤ بھر آٹا۔ اس کے زرد دانت دکھائی دے رہے تھے۔ میلی داڑھی کے بال الجھے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں سے ایسے لگتا تھا جیسے کیچڑ بھرا ہوا ہو۔ اپنا سوکھا ہوا بازو پھیلا دیا۔

بوڑھی رحیمن فقیر کے پاس جا کر بولتی ہے آپ کو ایک لڑکا چاہیے تھا۔ وہ بولا: لائی ہو وہ ہاتھوں سے ٹٹولنا شروع کر دیتا ہے۔ حمید اس کو قریب کر کے کہتی ہے۔ نو سال کا ہو گیا ہے۔ اندھا پوچھتا ہے میرے ساتھ گالے گا۔ جواب آیا اگر سکھا دو گے۔

پھر وہ اٹھاتا ہے اندھے کو کہ اس طرح بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ملے گا۔ حمید حسرت بھری نگاہ سے دادی کو دیکھتا ہے اور پھر سڑک کی طرف گاڑیاں ہی گاڑیاں تھیں مگر وہ ایک پیشہ کے طور پر آگے جارہا تھا اور بوڑھی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-02

عورت خدا کا شکر ادا کرتی ہے کہ اس نے کوش و قسمت بنایا اور کام پر لگ گیا! "خوش قسمت لڑکا" بکھرے ہوئے سماج اور پسماندہ معاشرے کی بھرپور عکاسی کر رہا ہے۔ علی عباس حسینی اپنے افسانوں میں کسانوں کے علاوہ غریب طبقے کو بھی جگہ دیتے ہیں۔

زیر بحث افسانے "خوش قسمت لڑکا" کا فنی لحاظ سے جائزہ لیا جائے تو اس کا اسلوب سادہ ہے۔ ایک عام پڑھنے والا شخص اس کے مقصد کو جان جاتا ہے اور پلاٹ کی بات کی جائے تو پلاٹ جاندار ہے اور واقعات کی ایک ترتیب ہے اور کوئی جھول دکھائی نہیں دیتا:

"آٹھ نو برس کے سن میں نوکری بڑی قسمتوں سے ملتی ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ اس نے مجھ بڑھیا کی فریاد سن لی۔ دیکھو خدا کا شکر ضرور ادا کرنا اور بیٹا اب کے میلے میں تم اپنے لیے چار پیسے والی ٹوپی خرید لینا۔"(۲)

کسی بھی افسانہ نگار کے ہاں منظر نگاری بہت کمال رکھتی ہے۔ افسانہ میں علی عباس حسینی نے اس بوڑھیا کا جو حلیہ بیان کیا ہے ایسے لگتا ہے جیسے وہ منظر آنکھوں کے سامنے ہو:

"رحیمن کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ چہرے پر جھریاں پڑی تھیں۔ آنکھوں کے گرد باریک باریک نشانات تھے۔ گال دانتوں کے نہ ہونے سے پچکے ہوئے تھے۔ ٹھوڑی قریب قریب ندارد تھی۔ پھٹا سا برقعہ جسم پر تھا۔ اس کا نچلا حصہ کیچڑ میں اٹا ہوا تھا۔ پاؤں میں ایک پیوند دار جوتی تھی۔"(۳)

وہ بوڑھی جب اپنے پوتے حمید کو ایک بھکاری کے پاس لے کر جاتی ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ آخر اس نے بچے کو اس عمر میں کیوں کام پر لگا دیا ہے تو وہ آگے سے جواب دیتی ہے:

"ہاں بھیّا، پر میرے گھر سوائے اس کے اور کوئی مرد نہیں۔"(۴)

ان کے یہ الفاظ معاشرے پر طنز ہے کہ کس طرح ایک بوڑھی نو سال کے بچے کو بھکاری پیشہ سیکھنے کے لیے چھوڑ آتی ہے کیونکہ اب اس میں تو کام کرنے کی سکت نہیں اور وہ اس کام کو انجام دے کے خوش ہوتی ہے اور یہی سماج میں ناانصافی ہے کہ دونوں میں کام کرنے کی طاقت نہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

وہ ماحول اور عہد ہی ایسا تھا جب زمیندار اور ساہوکار غریب کسانوں پر اُن کی زمینوں پر غاصبانہ قبضے کرتے تھے۔ لیکن اس بوڑھیا میں کام کرنے کی طاقت نہیں رہی اور نہ ہی اس نو سال کے بچے میں یہ ایک دردناک اور تلخ حقیقت ہے:

> "ایک عمر کی حد میں ختم کیے ہوئے، دوسرا زندگی میں قدم رکھتا ہوا۔ دونوں کے پاؤں میں رعشہ دونوں کے گھٹنے کمزور، ایک کا کثرت کار سے اور دوسرے کا ناکردہ کاری سے۔"(۵)

اس سلسلے میں وقار عظیم رقمطراز ہیں:

> " علی عباس حسینی کے دردمند دل نے دیہات کی زندگی میں درد و غم کی تاثیر شامل کر کے دوسروں کو بھی اپنا شریک غم بنالیا۔ نہ صرف اپنا شریک غم بلکہ ان کا ہمدرد، جن کی کہانی افسانہ میں سنائی گئی ہے۔"(۶)

افسانہ "خوش قسمت لڑکا" کا فکری جائزہ لیا جائے تو یہ زندگی کی ایک دردناک کہانی ہے اور یہ غربت انسان کو کس قدر مجبور و بے بس اور زندگی کا نقطہ نظر کس قدر محدود ہو کر رہ جاتا ہے کس طرح وہ اپنا بچہ ایک فقیر جو کہ پیشہ ور ہوتا ہے اُس کے حوالے کر دیتی ہے اور پھر وہ کہتی ہے ہر کسی سے کہ خدا کا شکر ہے میرے بچے کو نوکری مل گئی ہے۔ لیکن اُسے اس بات کا دُکھ بھی ہے کہ اُس سے کام نہیں ہوتا۔ جو نو سال کا پوتا تھا اور اُسے کام پر لگا رہی تھی۔ کام اس سے بھی نہیں ہوتا جو کہ ایک بوڑھے کے ساتھ دن بھر پھیری لگائے گا۔ اس کا سہارا بنے گا۔ اُس میں اتنی طاقت اور ہمت نہیں تھی۔ لیکن وقت اور حالات نے یہ سب کرانے پر مجبور کر دیا تھا۔ غربت کی وجہ سے زندگی کا نقطہ نظر کس قدر بدل گیا تھا۔

چونکہ علی عباس حسینی کا تعلق جس تحریک سے تھا۔ انہوں نے پریم چند کی اسی روایت کو آگے بڑھایا اور حقیقت نگاری کے مرقعے پیش کیے۔ ان کے اس افسانہ کے علاوہ ان کے کئی افسانوں میں انہوں نے حقیقت نگاری کی بہترین مثالیں دی۔ اس طرح کے افسانوں میں انہوں نے کاشتکاروں کے معاشی استحصال اور ان کی سماجی تزلیل کو حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کر کے انسانی جذبہ ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

بھکاری

علی عباس حسینی کا یہ افسانہ "بھکاری" افسانوی مجموعہ میں شامل نہیں بلکہ کلیات حصہ اول میں شامل ہے جسے وکاس کمپیوٹر اینڈ پرنٹرز نوین شاہدرہ دہلی نے فروری ۲۰۱۰ء "علی عباس حسینی کی کہانیاں" کے عنوان سے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

کلیات حصہ اول میں شائع کیا۔ جس کے مرتب نند کشور وکرم ہیں۔ اس میں سے کلیات حصہ ا تقریبا ۵۲ کہانیاں شامل ہیں۔

افسانہ "بھکاری" جس میں ایک لڑکا جس کا نام شیام تھا جو کہ ترقی پسند نظریات رکھتا تھا۔ لینن اور کارل مارکس کے نظریات پڑھنے کے بعد وہ موجودہ نظامِ حکومت سے غیر مطمئن ہو کر کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گیا۔ اُس نے اپنا حلیہ تک تبدیل کر لیا تھا وہ خدا کے وجود سے بھی انکاری ہو گیا تھا اور ہر چیز کو اُسی نقطہ نظر سے دیکھنے لگا۔ کسی چیز سے بھی اس کا دل نہیں بھرتا تھا۔ جب وہ یونیورسٹی سے نکال تو اُسے کوئی نوکری تک نہ ملی اور کوئی اس کی شکل دیکھنے کو تیار نہ تھا جس کی وجہ سے وہ احساسِ کمتری کا شکار ہونا شروع ہو گیا تھا۔

ایک دن وہ کہیں جا رہا ہوتا ہے تو اس کا سامنا ایک بھکاری سے ہوتا ہے۔ چونکہ شیام بھکاری کی صدا سے عاجز آ گیا تھا۔ وہ پل بھر ہی کھڑا تھا اور بھکاری جو کہ شہر سے قریب تھا۔ زمین پر ہی پڑا ہوا تھا اور آوازیں لگائے جا رہا تھا۔ میں اندھا ہوں۔ لنگڑا ہوں اور اس کا جسم میل سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی مکھیوں کا ایک ہجوم تھا اور اتنی دیر ہونے کے باوجود اسے کوئی پیسہ نہیں دے رہا تھا۔ یہ سب کچھ برداشت کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا اور اس کا جی چاہتا تھا کہ اس اندھے بھکاری کا گلہ ہی گھونٹ دوں۔ اس جیسے کی کہاں ضرورت ہے۔ باقی یہ ایک صحت مند ماحول میں بیماری پھیلا رہا تھا اور یہ سرمایہ داروں کے لیے ایک بہانہ بنا ہوا ہے اسے پیشہ ور بنایا ہوا ہے۔ اُسے لنگڑا، اندھا اور اپاہج بنایا ہوا ہے۔ خدا نے اسے ایسے نہیں بنایا ہو گا اور اس بھکاری کے والدین نے خود اس کے قوانین فطرت کے خلاف عمل کیا ہو گا اور اصول توڑے ہوں گے۔

مگر وہ بھکاری مسلسل چیخے جا رہا تھا کہ پیسہ چاہیے اللہ بھلا کرے، ایک پیسہ۔ اور وہ یہ سوچتا ہے کہ ایک ایسا نظام ہونا چاہیے کہ صرف اور صرف ایک ہی طبقہ زندہ رہے۔ امیر غریب کا فرق باقی نہ رہے وہ امتحان دیتا ہے تو پاس کر لیتا ہے۔ مگر جب کمیشن کے سامنے بیٹھتا ہے تو ان کی خود اعتمادی دیکھتا ہے اور پھر اپنے گندے پراگندہ بالوں کو، تو اسے یہی لگتا ہے کہ میرا نام فہرست سے غائب ہے۔ مسلمان لڑکا جو اسے بتاتا ہے کہ محنت کیے بغیر اللہ کا نام لینے سے وہ پاس ہو گیا ہے تو وہ اسی کی بات مان لیتا ہے لیکن پھر بھی وہ ٹیسٹ کلیئر نہیں کر پاتا۔ جس کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ پل کی طرف بھاگ کھڑا ہوتا ہے مگر سامنے وہی اندھا، بولا اور لنگڑا اپاہج تھا۔

فیکٹری سے نکلنے والا دھواں مزدوروں کے دل کو لگ رہا تھا۔ معاشرے کے ظلم اور مشینوں کی گھڑ گھڑاہٹ، جیسے پل کے ستونوں سے پانی کی موجیں ٹکڑا ٹکڑا کر بھکاری بن رہے تھے اور زندگی بسر کرنے کی ایک

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

ناکام کوشش۔ وہ پل کی طرف بڑتا ہے۔ بھکاری کو محسوس ہوتا ہے کہ کچھ لوگ گاڑی میں آرہے ہیں وہ آگے سے ہاتھ پھیلاتا ہے اندھا ہوں، اپاہج ہوں، بھیک دے دو۔ آخر کار وہ گاڑی جیسے ہی پیچھے ہوتی ہے اس کا دھواں بھکاری کی طرف جاتا ہے وہ زبان سے کچھ نکالتا ہے۔ ہشام اسے کہتا ہے کہ اتنے حیوان ہو۔ غیرت و شرم و حیا کے معنی بھی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے، وہ بولتا ہے عورت کو جانتے ہو۔ آگے سے بھکاری بولا ہاں میری ماں ایک عورت تھی۔ دوسرے دن خبر ملی کہ پُل کے قریب ایک بھکاری اندھا جو کہ پیشہ ور بھکاری تھا مرا پڑا تھا۔ زیر بحث افسانے "بھکاری" جو کہ زندگی کی ایک تلخ حقیقت کے بارے میں ہے۔ انسان دوسروں سے ہمدردی تو کرتا ہے مگر صرف دکھاوے کے لیے جب خود پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ دوسروں کے دکھ کو بھول جاتا ہے۔

افسانے کے فن کے لحاظ سے بات کی جائے تو افسانے کا اسلوب سادہ ہے مگر پلاٹ جاندار ہے۔ واقعات کی اس طرح ترتیب ہے کہ کوئی بھی واقعہ قاری کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو پاتا:

> "اندھا ہوں، لنگڑا ہوں، اپاہج ہوں۔ اس کی پھٹی پھٹی سی آواز مٹی اور میل میں بھرا ہوا جسم اس کے قریب مکھیوں کا ہجوم اور آدھا گھنٹے سے بھی چیخنے پر ایک پیسہ کا نہ ملنا۔"(۷)

علی عباس حسینی چونکہ خود دیہاتی تھے۔ جس عہد اور ماحول میں آنکھ کھولی۔ وہاں کے دُکھ اور ماحول کی گھٹن کو اپنے افسانوں میں جابجا بیان کیا ہے۔ افسانہ ''بھکاری'' میں وہ سماج کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "کیا اچھا ذریعہ نکالا ہے۔ مفلسوں اور کمزوروں نے بھاری جیبوں کو خالی کرنے کا۔ مگر اس طرح کا نظام ہی کیوں ہو کہ سرمایہ دار اور تلاش کے سے دو طبقے باقی رہیں۔"(۸)

سماج کا انسانی شخصیت پر بُرا اثر ہوتا ہے علی عباس حسینی چونکہ جن قبائل کے اندر رہے انہوں نے اپنے افسانوں میں اسی ظلم و جبر کی عکاسی کی ہے۔ انہوں نے معاشی استحصال کو بھی اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے وہ معاشرتی و سماجی تذلیل کو ایک حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کرنے کے لیے انسانی ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایک کمیونسٹ خیالات رکھنے والا شخص جب بھکاری کو کہتا ہے:

> "کیا منہ تکتا ہے کمینہ! آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا۔ ٹانگوں سے چل نہیں سکتا۔ ہاتھ ہلا نہیں سکتا۔ مگر جئے جائے گا بے شرم! ایک کیڑے کی طرح۔" (۹)

اس سلسلے میں وقار عظیم لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-02

ماخذ تحقیقی مجلہ

"علی عباس حسینی نے ایک طرف دیہات کی معاشرتی اور خانگی زندگی کے مبصرانہ مرقع ہیں۔ جہاں دوسری طرف فن کے بے حد دل نشین نمونے بھی ہیں۔ حسینی نے پریم چند کی بنائی ہوئی ڈگر پر چل کر دیہات کے گلی کوچوں میں پہنچنا سیکھا۔"(۱۰)

اس افسانے کا فکری لحاظ سے جائزہ لیا جائے تو اس میں کردار خود شیام کا ہے اس میں خود اعتمادی کی کمی ہے اور دوسرا وہ بھکاری جو کہ اپاہج ہے اور گھر والوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے پھر بھی وہ سڑک کنارے بیٹھا ہے یہ ایک تلخ حقیقت ہے ہمارے معاشرے کی کہ کس طرح معذور لوگوں سے بھیک منگوائی جاتی ہے اور وہ اس طرح پیشہ ور بھکاری بن جاتے ہیں۔ لوگوں کی نظروں کا انہیں سامنا کرنا پڑتا ہے اور کئی بہت ساری تلخ باتیں بھی سننا پڑتی ہیں مگر وہ اس پیشہ جو کہ ذلت آمیز ہے اس کو چھوڑتے نہیں اور نا ہی کبھی چھوڑ سکتے ہیں کیونکہ اب وہ ان کی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہوتا ہے جیسا کہ اس افسانے میں نظر آتا ہے کہ لوگ اسے بھیک بھی دیتے ہیں تو اس طرح حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱. علی عباس حسینی، باسی پھول، لاہور :مکتبہ اردو، ۱۹۳۹ء، ص ۱۹۰
۲. باسی پھول، ص ۲۰۲
۳. ایضاً، ص ۱۹۰
۴. ایضاً، ص ۱۹۴
۵. ایضاً، ص ۱۱۵
۶. وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک، کراچی :اردو اکیڈمی سندھ، جولائی ۱۹۶۰ء، ص ۱۸۵
۷. علی عباس حسینی، علی عباس حسینی کی کہانیاں (کلیات)، دہلی :وکاس کمپیوٹر اینڈ پرنٹرز، نوین شاہدرہ فروری ۲۰۱۰ء، ص ۱۴۷
۸. علی عباس حسینی کی کہانیاں (کلیات)، ص ۱۴۹
۹. ایضاً، ص ۱۵۰
۱۰. علی عباس حسینی، بہو کی ہنسی اور دیگر افسانے، اسلام آباد :الحمرا پبلیکیشنز، ۲۰۲۰ء، ص ۱۳